Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

Received: 6th Feb, 2024 | Accepted: 16th June, 2024 | Available Online: 30th June, 2024
Digital Object Identifier: 10.52015/daryaft.v16i01.388

"بہاؤ" کے کرداروں کا نفسیاتی مطالعہ

A Psychological Study of the Characters of Novel "Bahao"

ALMAS AKMAL
Lecturer Urdu, M.A. Jinnah College Jhelum, Pakistan
(almas.akmal0007@gmail.com)

ABSTRACT Mustansar Hussain Tarar is a famous Urdu novelist. In this article, the desolate settlement Presented in Tarar's Novel "Bahao" and its psychological study under the on human thoughts and psychology due to the destruction of its civilization has been examined. Analysis of the character of novel is presented as a psychological study under the influence of theories such as life instinct, death instant, multiple personality disorder, narcissistic culture, Freud's theory of dream, inferiority complex, oppression, replacement, Consciousness, Un Consciousness and Nostalgia. The aim of this article is to make the student of Urdu literature understand the psychological problems faced by the characters in the story of a deserted slum.

Keywords Bahao, Characters, Psychological study, Consciousness, oppression, Nostalgia.

"بہاؤ" منفرد ناول ہے۔ منفرد اس حوالے سے کہ ناول نگار نے پانچ ہزار سال پرانی بستی کے معدوم ہونے کا نوحہ پڑھا ہے۔ پہلی مرتبہ سنگ میل پبلیکیشنز نے اسے ۱۹۹۲ میں شائع کیا۔ ۲۷۲ صفات کے اس ناول کی تاریخی اہمیت یہ بھی ہے کہ قاری ایک خوشحال بستی کو پانی کی عدم دستیابی کے باعث دن بدن ویران اور تباہ ہوتے دیکھتا اور محسوس کرتا ہے سمرو کی جھجھر میں پانی کم ہونا، پاروشنی کے کنویں میں بوکے کا دیر سے پانی تک پہنچنا اور گھاگھرا کے کنارے دن بدن ایسی لکیر بننا جہاں پچھلے دن پانی تھا سب مل کر بڑی روانی اور ٹھہراؤ کے ساتھ بستی کی ویرانی کے مناظر پیش کرتے ہیں۔ ان مناظر سے قاری ان سب کھنڈرات کی ویرانی کے پس منظر میں کھو جاتا ہے جن میں کبھی زندگی چہکتی تھی اور اب محض اس کی کچھ نشانیاں باقی رہ گئی ہیں۔ ناول میں پیش کی گئی بستی کا انحصار سرسوتی کے پانی پر ہے۔ ناول کا انتساب بھی سرسوتی کے پانیوں کے نام ہے۔

"سرسوتی جو بڑے پانیوں کی ماں ہے۔۔۔۔
ساتویں ندی ہے، اس کے پانی آتے ہیں،
شاندار اور بلند آواز میں چنگھاڑتے ہوئے۔"(۱)

شاندار" اور "بلند آواز میں چنگاڑتے ہوئے" سے ناول کے آغاز میں ہی بڑے پانیوں کے لیے قاری کے دل میں ہیبت، اہمیت اور تکریم کا پہلو پیدا ہو جاتا ہے۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی کی طرح نفسیات کا ادب سے بھی گہرا رشتہ ہے۔ اگر ادب زندگی کی عکاسی کرتا ہے تو

This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

نفسیات انسانی کردار کا مطالعہ اس کے ماحول کے تناظر میں کرتی ہے۔نفسیات یعنی سائیکالوجی یونانی زبان کا لفظ ہے۔ "Psychology" جس کے معنی روح ہیں اور Logy جس کے معنی گفتگو، بات اور علم کے ہیں۔ کی مناسبت سے روح کے بارے میں جو بھی گفتگو کی جائے وہ روح کا علم ہو گا اور روح کے اسی علم کو نفسیات کا نام دیا گیا ہے۔ فرہنگ عامرہ کے مطابق:

"نفسیات (نف، سی، یات) وہ علم ہے جو ان کی روحی اور حسیاتی زندگی سے متعلق ہے دماغی شعور کا علم، نفسی کی جمع ہے"(۲)

اردو لغت میں نفسیات کے معنی اس طرح درج ہیں:

"نفسیات [س] (اردو مذکر) علم النفس، وہ علم ہے جس کا تعلق ذہن سے ہے۔"(۳)

اس مقالے میں "بہاؤ" کے کرداروں کا نفسیاتی مطالعہ سیگمنڈ فرائیڈ کے پیش کردہ نفسیاتی نظریات جن میں تحلیل نفسی، جبلت مرگ، جبلت حیات، نرگسی ثقافت، نظریہ خواب کی روشنی میں کرداروں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ نذیر احمد سے لے کر موجودہ دور تک بہت سے ناول اپنے کرداروں کی نفسیات کے حوالے سے اہم ہیں۔ انہی میں مستنصر حسین تارڑ کا مشہور زمانہ ناول "بہاؤ" بھی شامل ہے۔ "بہاؤ" کے کردار قدرتی عوامل کے زیر اثر اپنی مٹتی ہوئی تہذیب کے تحفظ کے لیے ذہنی اضطراب میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

پاروشنی ناول کا بنیادی کردار ہے اس کردار کی ظاہری شباہت حرکات و سکنات مثلاً گندم کوٹتے ہوئے ہاؤ۔۔۔ دھم۔۔۔۔۔ہاؤ ۔۔۔ دھم کی آواز یا چوڑیوں کے کھنک جیسی باریکیوں کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ پاروشنی کی شخصیت کے مختلف پہلو اس عمدگی سے پیش کیے گئے ہیں کہ کردار حقیقت کا روپ دھار کر قاری کو ناول کے صفحات پر چلتا پھرتا محسوس ہونے لگتا ہے اس کردار کو منفرد کرنے میں اس کی ظاہری شباہت کو بھی بہت دخل حاصل ہے اس کا قد بت، ہلکا سیاہی مائل رنگ، گھنگریالے اور بھورے بال چوڑی ناک بھوکے جانور کی طرح آگے کو نکلا ہوا جبڑا، موٹے موٹے ہونٹ اور چوڑے کولہے جہاں اسے اردو ناول کی روایتی ہیروئن سے مختلف کرتے ہیں وہیں مستنصر حسین تارڑ کا کرداروں کو منفرد انداز میں پیش کرنے کی تکنیک کا بھی منہ بولتا ثبوت ہے۔ پاروشنی کے کردار کی خاص خوبی خودداری اور خود کفیلی ہے۔ ماں باپ نہ ہونے کے سبب ماتی پاروشنی کی پرورش کرتی ہے لیکن پاروشنی ہوش سنبھالتے ہی الگ گھر بنا کر وہاں اپنا گزر بسر کرنے لگتی ہے اور بستی کے کاموں میں اپنا حصہ شامل کرنے کے غرض سے وہ روز صبح سویرے سب کے گھڑے بھرنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لیتی ہے۔

بچپن کی تنہائی کے باعث پاروشنی کی شخصیت میں خالی پن محسوس ہوتا ہے۔ وہ ورچن اور سمرو دو مردوں سے تعلق قائم ہونے کے باوجود اس تنہائی سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتی۔ پاروشنی کی یہ کیفیت اس وقت شدت اختیار کر جاتی ہے جب وہ ایک مردہ بچے کو جنم دیتی ہے۔ یہ مرا ہوا بچہ پاروشنی کے لیے ازلی دکھ لے کر پیدا ہوتا ہے وہ تمام عمر اس کے نہ رونے کی اذیت سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتی ۔ورچن اس اذیت کو ذیل کے الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"اسے اس نے گھاگھرا میں نہیں اپنے اندر ڈبویا تھا۔"(۴)

یہی اذیت پاروشنی میں ناسٹلجیا کو جنم دیتی ہے۔ یہ ایک نفسیاتی رجحان ہے جس کو ماضی کے شدید احساس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پریکٹیکل ڈکشنری میں ناسٹلجیا کے معنی یہ ہیں:

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

"Nostalgia describes a longing for the past after in idealized form. Nostalgia may or may not also know as homesickness."(5)

پارو شنی کی شخصیت میں غور و فکر کا عنصر بھی اسی تنہائی کی دین ہے۔ وہ ناول میں متعدد مقامات پر زندگی کے تسلسل، بستی کے پھیلاؤ کے حوالے سے سوال اٹھاتی ہے۔ خواہشات کے اظہار کے نظریے میں پارو شنی فرائیڈ کی ہم خیال نظر آتی ہے۔ وہ اپنی خواہشات کو کنگن سے تشبیہ دیتے ہوئے ورچن اور سمرو کو بھی ایک کنگن قرار دیتی ہے:

"جتنے کم ہوں گے شور بھی کم ہو گا نہ ہوں گے تو سکھ ہو گا شور نہ ہو گا۔۔۔ پر بندہ کون کون سا کنگن اتارے۔"(۶)

فرائیڈ کے نظریے کے مطابق بھی انسان کی تمام خواہشات کا تسکین پانا ناممکن ہے۔ تمام خواہشات اور خاص طور پر جنسی خواہشات کا بے روک ٹوک اظہار ممکن نہیں۔ خود فریفتگی کی پہلی منزل میں ان خواہشات کو دبانا جن کے نوعیت جنسی ہوتی ہے لازمی اور ضروری امر ہے۔ ناول کے اختتام پر پارو شنی مضبوط اعصاب اور مستقل مزاج عورت کے روپ میں ظاہر ہوتی ہے۔ بستی کی مکمل ویرانی کے باوجود وہ امید کا دامن نہیں چھوڑتی۔ دراصل پارو شنی کا بستی نہ چھوڑنے اور سخت سے سخت حالات میں بھی بچ جانے کے پیچھے یہ محرک ہو سکتا ہے کہ وہ ان حالات کے لیے باقی افراد کی نسبت ذہنی طور پر بہت پہلے سے تیار تھی۔ بستی میں سب سے پہلے اسے بڑے پانی نہ آنے کا علم ہوتا ہے۔ بستی کے باقی لوگوں کی طرح دریا کو خوش کرنے کیلئے وہ اس میں کوئی چیز ڈال کر خود کو دھوکہ نہیں دیتی، ساری صورتحال کو دانشمندی سے دیکھتے ہوئے بہت پہلے ہی مشکل سے مشکل حالات میں بھی کبھی بستی نہ چھوڑنے کا عہد کر لیتی اور اختتام تک اس پر قائم رہتی ہے۔

"بہاؤ" کے تمام نسوانی کردار مادر سری معاشرے کی خوداعتماد اور خودانحصار عورت کی نفسیات کے عکاس ہیں۔ ناول کا مرکزی کردار پارو شنی اپنی زمین سے شدید محبت کرنے اور کائنات کے بارے میں غور و فکر کرنے والے درویش کی صورت سامنے آتی ہے، پکلی اپنی تہذیب کی شناخت اور فنکار کے طور پر پیش کی گئی ہے، ناول کا ایک اور نسوانی کردار گاگری ہے جو بستی کے مردوں کے مقابلے میں بڑی جرات اور بہادری سے خطرناک جانوروں کا شکار کرتی نظر آتی ہے۔ اسی طرح بستی کی سب عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کھیتوں میں کام کرتی ہیں۔

ناول میں کنک (گندم) کے سٹے کے کچے دانے کی باس کو ایسی عورت کے بدن کی باس سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی کوکھ کسی بیج کی نشو نما کر رہی ہو۔ ناول نگار عورت اور زمین دونوں کی نسل بڑھانے کے حوالے سے مشترک خصوصیات بیان کر کے پانچ ہزار سال پہلے کی عورت کی اہمیت اور تکریم ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ ناول کے مرد کرداروں کے مکالموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کے لیے یہ اہمیت اور عزت ان کی سوچ کا حصہ ہے۔

"بستی کے سارے کھیت سانجھے تھے اور چھپر اپنے اپنے تھے جو عورت ذات کے ہوتے تھے۔"(۷)

ناول میں مادر سری معاشرے کے پیش نظر ایک عورت کا دو مردوں سے تعلق بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ اسی کی ایک جھلک ہمیں پارو شنی کے کردار میں نظر آتی ہے۔ وہ سمرو اور ورچن دونوں کے لیے نرم گوشہ رکھتی ہے۔ یہاں یہ بات حیران کن ہے کہ جہاں پارو شنی دونوں کو دل سے قبول کر لیتی ہے وہاں ناول نگار سمرو اور ورچن میں کسی قسم کی رقابت کا جذبہ نہیں دکھاتا اور نہ ہی پارو شنی کے

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

مردہ بچے کو دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ منسوب کرتا ہے بلکہ اس نے بچے کے نین نقش تک ظاہر نہیں ہونے دیے وہ ان تینوں کرداروں کے ساتھ ساتھ قاری کے تجسس کو برقرار رکھتے ہوئے گھاگرا میں پھینک دیتا ہے اور اس کی شناخت کو مخفی ہی رکھتا ہے۔ ہر عہد، بستی، معاشرہ اپنی جداگانہ روایات تہذیب و تمدن اور ثقافت رکھتا ہے۔ ثقافت متحرک ہوتی ہے، وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ یہی تہذیب و تمدن باقیات کی صورت کسی عہد کو زندہ رکھتی ہیں۔ آج شالامار باغ لاہور، مکلی کا قبرستان، جہلم کے قلعہ روہتاس جیسے مقامات کی اہمیت اسی وجہ سے ہے کیونکہ یہ گزری بستیوں کا پتا دیتے ہیں۔ اسی تہذیبی اور ثقافتی میراث کا گہرا شعور ہمیں پکلی کے کردار میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ پکلی ایک ظروف ساز کا کردار ہے۔ گھڑوں پر بنے بیل بوٹوں کی صورت میں اپنی آخری نشانی، اپنا فن گھاگھرا کے سپرد کر کے مرتے ہوئے اس کے چہرے کا اطمینان قابل دید منظر پیش کرتا ہے کیونکہ اسے اس بات کا یقین ہے کہ اس کے فن کے ذریعے اسے اس طرح یاد کیا جاتا رہے گا جس طرح کھیت میں کام کرتے ہوئے ورچن کو ملنے والی ٹھیکریاں اِس کے بنانے والے کا پتہ دیتی ہیں۔ وہ ٹھیکریاں بتاتی ہیں کہ وقت کے بے انت سمندر میں زمانے کی لہروں کے اتھل پتھل نے سب کچھ ختم کر ڈالا اور اب محض یہ کچھ نشانیاں بچی ہیں جو گزشتہ بستیوں کا پتہ دیتی ہیں زمانے گزرنے کے ساتھ ساتھ بستیاں ختم ہو جاتی ہیں مگر ان کی جگہ نئی بستیاں، نئے کردار لے لیتے ہیں۔ گاگری ناول کا بہت اہم نسوانی کردار ہے یہ اپنے پھرتیلے اور چھریرے بدن کے باعث ساری بستی کے لیے شکار کا انتظام کرتی ہے۔ ناول نگار نے اس کے شکار کرنے کی تکنیکوں کی بڑی جاندار منظر کشی کی ہے۔ گاگری کا دو سالہ بچہ سر پر چوٹ لگنے کے سبب موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ پاروشنی اور گاگری کے کرداروں میں ایسی عورتوں کی نفسیاتی الجھنیں ملتی ہیں جن کے لیے اولاد کی موت اپنے وجود کے موت کا باعث بن جاتی ہے اور اولاد کی جدائی ان کی شخصیت میں ایسا خلا پیدا کر دیتی ہے کہ ساری زندگی بھی اس کی تکمیل کے لیے کم پڑ جاتی ہے۔ بھوکڑ کو مارتے ہوئے اچانک گاگری کے دل میں اسے زندہ چھوڑ دینے کی خواہش جنم لیتی ہے تحلیل نفسی کے ذریعے پتا چلتا ہے کہ بھوکڑ کے سر پر مارتے ہوئے گاگری کی جارحانہ کیفیت پر مادرانہ شفقت غالب آ جاتی ہے اور اسے زندگی کے لیے بھاگتی بھوکڑ میں اپنا مرا ہوا بچہ نظر آنے لگتا ہے۔

فرائیڈ کے جبلت مرگ کے تحت فرد طبعی موت سے پہلے ذہنی اور شعوری طور پر موت کو قبول کر چکا ہوتا ہے گاگری بھی اپنے بچے کی موت کے سبب اپنی طبعی موت سے پہلے ذہنی و نفسیاتی طور پر زندہ لاش نظر آتی ہے جو کہ محض سانس کی آمد و رفت کے لیے زندگی سے نباہ کرنے پر مجبور ہو۔

سمرو ایک کسان ہے۔ گھاگھرا کنارے آباد بستی کی تہذیب و تمدن کی شناخت کا بڑا ذریعہ برتنوں کی ٹوٹی پھوٹی ٹھیکریاں اور پتھروں اور سیپیوں کے بنے منکے، مورتیاں ہیں۔ آج بھی مہنجو داڑوں میں ملنے والی باقیات اس معدوم شدہ تہذیب کی گواہ ہے جس طرح پکلی گھڑے اور صحنک بنا کر اپنے فن کا مظاہرہ کرتی ہے اسی طرح سمرو چھوٹے چھوٹے پتھروں کی مدد سے مختلف منکے اور مورتیاں بناتا ہے جو کہ بستی کے لوگ فصل کی کٹائی پر خوشی کا اظہار کرنے کے لیے بازوؤں پر باندھتے ہیں۔ ہر فنکار کی طرح سمرو اپنے فن کو امر کرنے کی غرض سے منکوں پر اپنا نام کندہ کرتا ہے۔ ایک رات جھجر میں پانی کی کمی سمرو کو پانی ختم ہونے کا خوف دلاتی ہے۔ اسی بارے میں سوچتے ہوئے اسے نیند آن لپکتی ہے اور وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ پانی ختم ہو چکا ہے۔ زمین بنجر ہو چکی ہے اور وہ پانی کے لیے ہانپ رہا ہے۔

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

فرائیڈ نے خوابوں کو انسانی لاشعور کے تہ خانے میں پڑے خیالات، ناآسودہ خواہشات، خوف اور تجربات کی روپ بدل کر ظاہر ہونے کی کوشش قرار دیا ہے۔ سمرو کے لاشعور میں موجود قحط سالی کا اندیشہ جس سے اس کا شعور بھی ناآشنا ہے خواب میں بھیانک صورت اختیار کر لیتا ہے اور وہ شعوری حالت میں اپنے خواب کی تعبیر سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ اسی طرح قحط سالی کے خوف کے ساتھ ساتھ سمرو کے لاشعور میں پاروشنی سے جنسی اختلاط کی خواہش کا اظہار ذیل کے خواب میں دیکھا جاسکتا ہے:

"جیسے ایک سفید سانپ جنگل کے جانور پر حملہ کرتا ہے ایسے اس کے دانت سفید کونپلوں کی طرح لشکتے ہیں اور اس کی کہنیوں میں چوڑیاں ہیں اور کنگن ہیں اس نے مجھ پر وار کیا ہے۔"(۸)

سمرو اور ورچن دونوں کو برابر سمجھنے کے باوجود پاروشنی کا غیر شعوری طور پر سمرو کی جانب سے جھکاؤ زیادہ محسوس ہوتا ہے۔

"اور اس کے اندر پھر سمرو کا خیال آیا۔۔۔ نہیں ورچن سمرو سے آگے نہیں تھا۔۔۔ وہ تو پردیس ہوا تب یوں لگا کہ آگے ہے پر ہے نہیں۔"(۹)

شادی کی رات پاروشنی کا ورچن کو چھوڑ کر سمرو کے پاس چلے جانا دراصل اس کے لاشعور میں اڈ (Id) کی سرکش کا نتیجہ ہے۔ جس کے سبب وہ ورچن کو نظر انداز کر کے سمرو کے پاس جانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ ناول کے اختتام پر بھی پاروشنی اور سمرو کا ملاپ وقتی طور پر سہی موجودہ حالات کی تلخی کو فرحت بخش بنانے کی ایک غیر شعوری کوشش کہی جاسکتی ہے جسے فرائیڈ نے تبدل (replacement) کا نام دیا ہے فرائیڈ کی یہ اصطلاح ان کی ذہنی حالت پر صادر آتی ہے۔ پانی کی تشنگی کو وہ جنسی تشنگی کی صورت پورا کرتے ہیں۔

ڈور گا بھٹے میں کام کرنے والے سخت جان انسانوں کا نمائندہ ہے۔ جو ساری زندگی جانوروں کی طرح گزار دیتے ہیں۔ ان کی پیدائش بھٹے کی اونچی دیواروں کے اندر ہوتی ہے اور موت بھی یہیں ہوتی ہے۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ روح کی قید سے آزاد ہونے کے بعد بھی ان کے جسموں کو اس قید خانے سے باہر کی مٹی نصیب نہیں ہوتی۔ انہیں اسی چار دیواری کے اندر کہیں دفنا دیا جاتا ہے۔ نسل در نسل غلامی اور بھوک برداشت کرتے ہوئے یہ انسان زندگی کے حقیقی معنوں سے ناآشنا ہو جاتے ہیں اور محض دو وقت کی روٹی کے عوض اپنی نسلوں تک کی زندگی وڈیروں کے نام کر دیتے ہیں۔ بھٹے میں ان کے شب و روز تقریباً ایک جیسے ہوتے ہیں۔ وہ برس ہا برس گارا بنانے، اینٹیں پکانے اور انھیں ڈھونے میں ہی گزار دیتے ہیں۔ بھٹے کے سخت جان کام کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ناول نگار نے اسے رت کو نچوڑ کر اس کی سرخی کو کالک میں بدلنے والا کام قرار دیا ہے۔ جب ناول نگار کہتا ہے کہ "پچھلے ہزار برس میں وہ پہلا تھا جو باہر آیا۔"(۱۰)

تو ڈور گا اور ان ہزار برسوں میں بھٹے کے اندر پیدا ہو کر مرنے والوں کا دکھ قاری اپنے دل میں محسوس کر سکتا ہے۔ ڈور گا کے دل کی حسرتیں اس وقت جاگتی ہیں جب وہ بھٹے کی چار دیواری سے باہر آتا ہے اور زندگی کو ہنستے کھیلتے دیکھتا ہے۔ اس سے قبل تو اسے اپنی خواہش، اپنی مرضی کے بارے میں سوچنے تک کی اجازت نہ تھی۔ وہ محض جانوروں کی طرح جھکا ہوا اینٹیں ڈھوتا رہتا۔ مونجھ میں اپنے ہاتھ سے بنائے گئے کھلونوں سے نہ کھیلنے کے حسرت کا اظہار وہ اس طرح کرتا ہے۔

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

"موہنجوں کے بچے مٹی کی جن بیل گاڑیوں کلہریوں اور اندھے بندروں کے ساتھ کھیلتے تھے ان کو بھٹے کی آگ میں، میں پکاتا تھا۔۔۔ میں بھی بچہ تھا اس سے پر میرا کام ان کھلونوں کو پکانا اور ان کا کھیلنا۔۔۔ میں کاماتھا وہ کھیلنے والے۔"(۱۱)

ڈور گا اتنا عرصہ بھٹے میں جانوروں کی طرح کام کرتے کرتے اس کام (مٹی) میں اتنا رچ بس جاتا ہے کہ اس اذیت ناک زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے باوجود وہ مٹی سے نفرت نہیں کر سکتا بلکہ مٹی کی دوری اسے بے چین کرتی ہے۔ اسی عادت سے مجبور ہو کر وہ پکی کے آوے سے اپنا الگ آوا بناتا ہے اور اس میں اینٹیں بناتا ہے۔ بظاہر ڈور گا کا اینٹیں بنانا بھٹے پر کام کرتے مزدوروں جیسا ہی عمل ہے لیکن دونوں صورتوں میں انسان کی ذہنی کیفیت بالکل مختلف ہے بھٹے پر جبر کے زیر اثر کیے جانے والے عمل کو ڈور گا جب اپنی رضامندی سے کرتا ہے تو اس کے روئیں روئیں سے خوشی اور سرشاری پھوٹتی ہے یعنی انسان کی نفسیاتی کیفیت کے زیر اثر کوئی کام جبر یا مشقلے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

ڈور گا کی اینٹ سے بنا گھر دیکھنے اور اس گھر میں جانے کی خواہش صرف اس کی نہیں بلکہ ان تمام نسلوں کی خواہش ہے جنہوں نے بھٹے میں انٹیں ڈھوئیں او ر اس بات سے انجان رہے کہ باہر کی دنیا میں ان اینٹوں سے کیا بنتا ہے۔ ڈور گا اور ہزار برس سے بھٹے میں کام کرنے والے مظلومیت کی علامت ہیں یہی مظلومیت اسے حساس انسان بنا دیتی ہے۔ ہری یو پیہ کے باہر کنک پیسنے والے واہیکوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈور گا کے لہجے میں ان کے لیے ہمدردی محسوس کی جا سکتی ہے۔ دراصل ان کے کام کے بوجھ سے جھکی کمر اور چکیوں پر بیٹھے بیٹھے جڑی معذور ٹانگوں میں ڈور گا کو اپنا عکس نظر آتا ہے۔ کیونکہ انسانی ذہن اس دکھ درد کا زیادہ اثر لیتا ہے جو وہ خود برداشت کر چکا ہو۔

ناول میں ایک کردار بھینسے کا بھی ہے۔ جو کہ ظلم اور طاقت کی علامت ہے جبکہ ڈور گا اور ہزار برس سے بھٹے میں کام کرنے والے مظلومیت کی علامت ہیں۔ بھینسے کے طاقتور ہونے اور دوسروں پر بے رحمی کرنے کا عمل ڈور گا کو بھٹے کے مالکان کی یاد دلاتا ہے بھینسے اور بھٹے کے مالکان میں اس قدر مماثلت ڈور گا میں جذبہ انتقام کو جنم دیتی ہے اور وہ ہیجانی کیفیت کے زیر اثر خود سے کئی گنا طاقتور بھینسے کو ختم کر دیتا ہے۔ بھینسے کا خاتمہ ڈور گا کے نزدیک دنیا سے ظلم وزیادتی کا خاتمہ ہے۔ ڈور گا کی اس ذہنی حالت پر تبدل (replacement) کا نظریہ صادر آتا ہے کیونکہ وہ استحصال کرنے والوں سے بدلہ نہ لے سکنے کے متبادل کے طور پر بھینسے سے بدلہ لے کر ذہنی اطمینان حاصل کر لیتا ہے۔

ٹیلے پر سے گزرتے ہوئے ورچن جب ڈور گا کو بتاتا ہے کہ اگر ان ٹیلوں پر پانی نہ ڈالا جائے تو یہاں پر پیاس کی شدت سے مرنے والوں کی روحیں تمہیں تمہارے باوا کے نام سے پکارتی ہیں تو اس پر ڈور گا خواہش ظاہر کرتا ہے کہ کاش وہ روحیں مجھے میرے باوا کے نام سے پکاریں کیونکہ وہ اپنے باپ کے نام سے بھی ناآشنا تھا بھٹے کی چار دیواری کے اندر ہزار برس سے انسان بغیر باپ کا نام جانے محض اپنے حصے کا قرض اتارنے کے لیے جنم لیتا اور یہی قرض اتارتے اتارتے اسے موت آن لپکتی لیکن جیسا کہ انسانی فطرت کا حصہ ہے ڈور گا بھی اپنی شناخت، اپنی پہچان جاننے کا متمنی ہے۔ مامن ماسا ایک ایسا کردار ہے جو بستی سے علیحدہ ہو کر جنگل میں چلا جاتا ہے اور پھر وہیں رہتا

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

ہے۔اس کردار میں Multiple personality disorder کی علامات ملتی ہیں۔ناول میں متعدد مقامات پر دیکھا گیا ہے کہ وہ خود کو رکھ سمجھتا ہے اور اس بیماری میں مبتلا مریضوں کی طرح اسے مختلف طرح کی آوازیں سنائی دیتی ہیں:

"یہ کون بولا؟" ماسا نے کان کھڑے کر دیے وہ کون بولا؟" "میں اور کون؟" ایک رکھ بولا "میں میں" دوسرا کہنے لگا "اور" "میں" ایک پیپل کے پتے کھڑکے "(۱۲)

مامن ماسا اگرچہ پہلے بھی رکھوں میں رہتا تھا اور عجیب وغریب باتیں کیا کرتا تھا۔ کبھی کبھار وہ بستی کا بھی رخ کر لیا کرتا۔ماتی کے کھیتوں میں بڑے پانی نہ آنے کی خبر مامن ماسا ہی اس تک پہنچاتا ہے مگر اس کی ذہنی حالت میں شدت اس وقت واقع ہوتی ہے جب بستی اجڑ جاتی ہے اور قحط سالی کے سبب سب مر رہے ہوتے ہیں ان حالات سے متاثر ہو کر وہ اپنی ذات کی نفی کر کے خود کو رکھ تصور کرنے لگتا ہے۔بظاہر مامن ماسا خود کو بستی والوں سے الگ تھلگ سمجھتا ہے لیکن اس کے لاشعور میں چھپے کرب پر شعور کے قہقہے اس کی ذہنی حالت کے غماز ہیں۔Multiple personality disorder کے مریض اپنی ذہنی اذیت سے نجات حاصل کرنے کے لیے کسی شخصیت یا روپ کو خود پر طاری کر لیتے ہیں۔اسی صورتحال کا شکار یہ کردار مامن ماسا نظر آتا ہے

"رکھ کہیں آتا جاتا نہیں۔۔۔میں رکھ ہوں" ماسا نے کہا۔۔۔چیوا سر جھکاتا اور چلا جاتا اور اسی طرح کئی بار ایسا ہوا کہ وہ اس جگہ آیا جہاں اوپر مامن ماسا تھا اور وہ سوکھی ٹہنیوں میں اتنا گھلا ملا ہوتا کہ بڑی دیر تک اسے پتہ نہ چلتا کہ وہ کہاں ہے اور کس ٹہنی کے ساتھ ہے اور وہ منہ اٹھا کر بولنے لگتا۔ادھر سے جواب آتا تو وہ جانتا کہ وہ جو اوپر دائیں جانب پر ٹہنی ہے تو وہ اصل میں ٹہنی نہیں ماسا ہے۔۔۔۔۔۔کئی بار جواب نہ آتا تو وہ جانتا کہ وہ جو اوپر ٹہنی ہے تو اصل میں بھی ٹہنی ہے۔"(۱۳)

مامن ماسا اگرچہ پہلے بھی رکھوں میں رہتا تھا اور عجیب وغریب باتیں کیا کرتا تھا۔ کبھی کبھار وہ بستی کا بھی رخ کر لیا کرتا۔ماتی کے کھیتوں میں بڑے پانی نہ آنے کی خبر مامن ماسا ہی اس تک پہنچاتا ہے مگر اس کی ذہنی حالت میں شدت اس وقت واقع ہوتی ہے جب بستی اجڑ جاتی ہے اور قحط سالی کے سبب سب مر رہے ہوتے ہیں ان حالات سے متاثر ہو کر وہ اپنی ذات کی نفی کر کے خود کو رکھ تصور کرنے لگتا ہے۔بظاہر مامن ماسا خود کو بستی والوں سے الگ تھلگ سمجھتا ہے لیکن اس کے لاشعور میں چھپے شعور کے قہقہے اس کی ذہنی حالت کے غماز ہیں۔ملٹیپل پرسنلٹی ڈس ارڈر کے مریض اپنی ذہنی اذیت سے نجات حاصل کرنے کے لیے کسی شخصیت یا روپ کو خود پر طاری کر لیتے ہیں۔اسی صورتحال کا شکار یہ کردار مامن ماسا نظر آتا ہے۔

چیوا بستی والوں سے الگ تھلگ اپنے چھپر میں پڑا رہتا ہے اور بھیڑ بکریاں چراتا ہے۔بستی میں صرف گاگری کبھی کبھار اس سے ملنے اس کے چھپر میں چلی جایا کرتی تھی۔ گاگری کی موت کے بعد چیوا کی نفسیات پر زیادہ تر یاسیت کا غلبہ رہتا ہے حتی کہ اسے اپنی بھیڑ بکریوں سے بھی کوئی رغبت نہیں رہتی۔ گاگری کی موت اسے شدید ذہنی اضطراب میں مبتلا کر دیتی ہے۔اسی ذہنی کیفیت کے زیر اثر وہ مامن ماسا کے ساتھ رکھوں میں رہنے کا فیصلہ کر لیتا ہے اور پھر وہیں چلا جاتا ہے۔

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

ناول میں ورچن نامی کردار سیاح کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ مہنجو داڑو اور مختلف مقامات پر سیر و سیاحت کے لیے جاتا اور وہاں آریاؤں کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آریاء مختلف علاقوں پر قبضہ کرتے ہوئے اس کی بستی کی جانب آ رہے ہیں۔ اسی لیے وہ پورن (جسے آریاؤں کے نمائندے کے طور پر پیش کیا گیا ہے) کی طرف سے دوستی کا بڑھا ہوا ہاتھ نفرت اور حقارت سے جھٹک دیتا ہے۔ دراصل ورچن کی پورن سے بے اعتنائی اور تضحیک کے رویے کے پیچھے اس کے لاشعور میں چھپی احساس کمتری ہے۔

"ہم تو آنا ساہیں تمہارے جن کی ناک نہیں ہے اور اسی لیے ہماری مت بوجھ بھی کم ہے تم سے۔"(۱۴)

یہی احساس کمتری اس کے اندر بغاوت کے جذبے کو جنم دیتی ہے اور وہ پہاڑ پر سے اترنے والے آریاؤں سے اپنی بستی کی حفاظت کا تہیہ کر لیتا ہے۔ پہاڑوں پر سے اترنے والے حکمران قوم کے نمائندے ہیں جو دوسروں کے علاقوں پر قابض ہو کر ان کی بولی میں کچھ ملاوٹ کر کے اپنی نئی زبان گھڑ لیتے ہیں اور ان کی چیزوں کو اپنا نام دے کر اپنا لیتے ہیں۔ خود پرستی میں مبتلا معاشرہ جس کے رہنے والے ہر وقت اسی بارے میں چوکنا رہیں کہ کوئی ان پر سبقت نہ لے جائے اور خود اپنی حدود کو وسیع کرنے کی فکر میں لاحق رہیں ان کے لیے گراس سٹورٹ نے نرگسی ثقافت کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

"ہر وقت چوکنے رہتے ہیں کہ کہیں ان پر کوئی سبقت نہ لے جائے۔ نرگسیوں کا ایک جم غفیر ہے کہ ایک دوسرے کو کہنیاں اور کندھے مارتے، دھکیلتے، سازشیں کرتے اور چھل فریب سے کام لے کر بہتر سے بہتر آئینے کے لیے گریبان گیر نظر آتے ہیں۔"(۱۵)

ورچن اور پورن کے کردار اپنے اپنے معاشرے کی اجتماعی نفسیات پیش کرتے ہیں۔ گھاگھرا کنارے رہنے والوں کے جسے اور روحیں نئی تبدیلیوں کو قبول نہیں کرتے وہ ہمیشہ سے ایک جیسی زندگی گزارتے چلے آئے ہیں اور ہمیشہ ویسی ہی گزارنے کے متمنی ہیں جمود ان کے وجود کا حصہ بن چکا ہے۔ ورچن اور پورن کی بستی کے افراد میں فرق پورن کے اس مکالمے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے:

"تم کہتے ہو کہ گھر کو سورج کی روشنی اور پرائے کی نظر سے بچاؤ اور ہم روشنی میں رہنا چاہتے ہیں اور پرائے کی نظر سے نظر ملاتے ہیں یہ فرق ہے۔"(۱۶)

بستی کے لوگوں کا کوئی ایک مذہب نہ تھا۔ ناول کے ذریعے ان کا سورج کو پوجنا، پانی کو ماں اور زیبو بیلوں کو مقدس قرار دینے کے شواہد ملتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ویدک جس کا تعلق ہندوازم سے ہے، کا بھی کئی جگہ ذکر ملتا ہے۔ مزید لوگوں کا دریا کو خوش کرنے کے لیے اس میں نذرانے ڈالنا، بے اولاد عورتوں کا اولاد کے لیے درختوں پر دھاگے باندھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی زندگی خوف اور وہموں کے سائے تلے گزری ہے۔ پھر بنجر زمین، کھیتوں میں دھوپ کی تپش سے گلتا سڑتا بیکار ہوتا بیج، بھوک اور پیاس کی شدت سے مرتے انسان اور جانور اس خوف اور دہشت میں شدت کا باعث بنتے ہیں۔ اسی طرح دھرواذہب کے استعارے کے طور پر لایا گیا ہے جو کہ زیبو بیلوں کی دیکھ بھال کرتا ہے، انھیں مقدس سمجھتا ہے اور ان کی بے حرمتی سے خوفزدہ نظر آتا ہے لیکن زیبو بیلوں کے مرنے پر ڈور گا جب دھرواکو بیل، چیل کوؤں کے حوالے کرنے کی بجائے خود کھانے کا مشورہ دیتا ہے تو دھرواکا منہ پرے کر کے کہنا کہ

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

"میں بھی بہت دن سے بھوکا ہوں"(۱۷)

ظاہر کرتا ہے کہ گویا اب بھی اس کے دل میں بیلوں کا تقدس موجود ہے مگر بھوک اس کے تقدس اور خوف پر غالب آگئی ہے اور اس کے پاس اس غلبے کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ناول کے آغاز میں پیاسے پرندے کی موت انسان کی ناآسودہ خواہشات کی علامت بن جاتی ہے۔ جس کی زندگی آہستہ آہستہ فنا کی طرف بہتی جارہی ہے۔ لیکن وہ اس پرندے کی طرح اڑنے پر مجبور ہے۔ اس پرندے کے سفید دودھیا پروں کا رنگ بھورا ہوتا چلا جاتا ہے اور رگوں میں تیرتی نمی سوکھ جاتی ہے۔ آنکھیں بند ہونے سے زرا پہلے اسے پانی نظر آتا ہے لیکن پانی تک رسائی سے پہلے ہی دم توڑ دیتا ہے۔ اس کی تشنگی انسانی مقدر کی نارسائی کی علامت بن جاتی ہے۔ رکھوں میں مور اس وقت سے موجود تھا جب سے بستی موجود تھی۔ اس مور کی مدہم ہوتی آواز کو بستی کی تہذیب کے انہدام کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ناول کے اختتام تک بستی کے ساتھ مور بھی آخری سانسیں لیتا دکھایا گیا ہے۔

سیدھی پٹڑی پر چلتی ریل کو جب کوئی حادثہ پیش آتا ہے تو کہانی جنم لیتی ہے۔ گھاگھرا کنارے آباد بستی کی زندگی ایک ڈگر پر چل رہی تھی۔ وہ زمین کھودتے، بیج بوتے، بڑے پانی آتے، فصل کاٹتے اور سمرو کے بنائے ہوئے مٹکے مہرے بازوؤں پر باندھتے لیکن اس رواں دواں زندگی میں جب بڑے پانی آنا بند ہو جاتے ہیں۔ سرسبز زمین ریت اور بنجر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ہر سال کنک سے بھر جانے والے مٹکے ایک سال کے لیے خالی ہو جاتے ہیں تو اصل کہانی شروع ہوتی ہے۔

کسی علاقے یا قصبے کی معشت کا اثر لوگوں کے رویوں، بول چال پر بھی پڑتا ہے۔ گھاگھرا کنارے آباد بستی میں جب خوشحالی تھی ۔بڑے پانی چنگاڑتے آتے تو لوگ زندہ دل تھے۔ آپس میں ہنستے بولتے تھے۔ لیکن جب بڑے پانی نہیں آتے اور زمین بنجر ہو جاتی ہے تو وہ گویا گونگے ہو گئے۔ کرداروں کا ذہن آنے والے خدشات کے خوف سے الجھا ہوا نظر آتا ہے پھر یہ خوف مایوسی میں بدل جاتا ہے اور مایوسی اور ناامیدی کا یہ سایہ ساری بستی پر اپنی کالک ملتا محسوس ہوتا ہے۔ دراصل خشک سالی سے قبل بستی کے لوگوں کی ساری حیاتی بیج کے گرد گھومتی تھی۔ مثلاً زمین بونا، بیج ڈالنا، بڑے پانی کے آنے کا انتظار کرنا، فصل کاٹنا اور اب جب بیج ہی نہ تھا تو ان کے پاس بات کرنے کو کوئی موضوع نہ بچا۔

فرائیڈ کے نظریہ جبلت حیات کے تحت ناول کے کردار اپنی بقا کے لیے مختلف حربے اپناتے ہیں بڑے پانی نہ آنے کی صورت میں کبھی دریا سے پانی لے جا کر کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں تو کبھی فصل نہ ہونے پر بیج کے سڑنے کے ڈر سے مٹی سے بیج ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے ہیں۔ کبھی انہیں اپنی ثقافت کے تحفظ کی فکر لاحق ہوتی ہے تو کبھی اپنی زمین چھوڑنے کے خدشات۔

ناول کے اختتام پر بستی میں چھایا سناٹا قاری اپنے اندر محسوس کر سکتا ہے۔ کسی ناول کا قاری پر اس قدر اثر انداز ہونا ہی اس کے شاہکار ہونے کی دلیل ہے۔ اختتام پر بستی کا زوال دیکھ کر ن۔م۔راشد کی نظم "حسن کوزہ گر" کے ذیل کے مصرع ذہن میں گردش کرنے لگتے ہیں۔

جہاں زاد نو سال کا دور یوں مجھ پہ گزرا
کہ جیسے کسی شہر مدفون پر وقت گزرے(۱۸)

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 01, June 2024

مختصر اس آرٹیکل میں فرائیڈ کے نظریات کی روشنی میں کرداروں کا نفسیاتی تجزیہ کر کے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ انسان کی نفسیاتی تشکیل میں اس کا ماحول بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ ناول کے بنیادی کرداروں میں اپنی تہذیب کی ختم ہونے کے سبب ذہنی تناؤ اور جبلت حیات کا عنصر غالب ہے۔ زمانے میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں لیکن ہر طرح کے حالات و حادثات کے باوجود انسان بچ نکلتا ہے ۔ناول میں ڈور گا کی صورت میں نسل در نسل غلامی کرنے والے انسانوں کی خواہشات اور حسرتوں کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ پانچ ہزار سال قبل مادر سری معاشرے کی خود مختار عورت کی نفسیات پیش کی گئی ہے

حواشی وحوالہ جات

۱۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۲۰، ص ۳

۲۔ خویشگی، محمد عبد اللہ خان، فرہنگ عامرہ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۷، ص ۶۶۰

۳۔ مقبول بیگ بدخشانی، مرزا، اردو لغت، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، ۱۹۶۳، ص ۲۴۸

۴۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۲۰، ص ۱۷۲

۵۔ Advanced Practical dictionary (English to English to Urdu) with brief general knowledge, Azhar publisher, Laore,1988,P.856

۶۔۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۲۰، ص ۳۷

۷۔ ایضاً، ص ۳۲

۸۔ ایضاً، ص ۳۱

۹۔ ایضاً، ص ۱۱۶

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۷۶

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۲۴

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۲۷

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۳۴

۱۴۔ ایضاً، ص ۵۷

۱۵۔ Stewart Grace, Narcissus, London ,George & Allen unwin , 1956, P.93

۱۶۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، ص ۶۴

۱۷۔ ایضاً، ص ۲۲۶

۱۸۔ ن م راشد، لا انسان، المثال گاڑی ٹرسٹ بلڈنگ، لاہور، ۱۹۶۹ء، ص ۳۸

References in Roman Script:

1. Mustansar Hussain Tarrar, Bahao,Lahore:Sang-e-meel publications, 2020,P. 3
2. Hawashgi, Muhammad Abdullah khan , farhang amra, lslamabad : mukrtadra komi zuban, taba doum , 2007, P. 660
3. Maqbool baig badkhashani, mirza, Urdu lughat Lahore: markazi urdu board, 1963, P. 248
4. Mustansar Hussain Tarrar, Bahao,Lahore:Sang-e-meel publications, 2020, P. 172
5. Advanced Practical dictionary (English to English to Urdu) with brief general knowledge, Azhar publisher, Laore,1988, P. 856
6. Mustansar Hussain Tarrar, Bahao,Lahore:Sang-e-meel publications, 2020, P.37
7. Ibid, P. 32
8. Ibid, P. 31
9. Ibid, P. 116
10. Ibid, P. 176
11. Ibid, P. 124
12. Mustansar Hussain Tarrar, Bahao,Lahore:Sang-e-meel publications, 2020, P. 127
13. Ibid, P. 234
14. Ibid, P. 57
15. Stewart Grace,"Narcissus", London ,George & Allen unwin , 1956, P. 93
16. Mustansar Hussain Tarrar, Bahao,Lahore:Sang-e-meel publications, 2020, P. 64
17. Ibid, P. 226
18. Noon meem Rashid, la Insan, Lahore:Al missal gari trast building, near road, 1969, P. 38

Ms. Almas Akmal received her M.A. degree in Urdu and is currently serving as a lecturer at M.A. Jinnah College, Jhelum, Pakistan. Her current research interest focuses Urdu research and editing.